مطبُوعات

اسلام میں حریت، مساوات، اخوت تالیف جناب خواجہ عباد اللہ صاحب اختر۔ شائع کردہ ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور۔ قیمت ۱؎ روپیہ۔

یہ ایک مختصر کتاب بڑے اچھے کاغذ پر خوبصورت ٹائپ سے چھاپی گئی ہے۔ ہم پوری طرح یہ نہیں سمجھ سکے کہ کتاب کا مرکزی مقصود کیا ہے؟ مؤلف کی فکر صاف اور سلجھی ہوئی نہیں ہے۔ مثلاً مؤلف کا نظریۂ قانون یہ ہے کہ رسم و رواج میں آہستہ آہستہ تقدیس کا رنگ نمایاں ہوجاتا ہے اور ان کی معقولیت اور نامعقولیت کا خیال تک نہیں ہوتا، بس انہی کو بعد میں "مذہبی فرائض" سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔ یہ نظریۂ قانون ان لوگوں کا ایجاد کردہ ہے جنہوں نے تاریخ کو الحاد کی مادی عینک لگا کر پڑھا ہے۔ اس نظریہ کی تعلیم دینے کے لئے ہمارے مغربی علماء کافی بھی تھے اور ماہر تر بھی۔ آخر ایک "ادارۂ ثقافت اسلامیہ" اس مقصد کے لئے وجود میں لانے کی کیا ضرورت تھی؟ "مذہبی حس" کے متعلق بھی مؤلف کا نظریہ یہ ہے کہ رسم و رواج کے خلاف عمل کرنے سے آدمی ہم جنسوں کی نظر میں بھی گرجاتا ہے، اور ان رسوم میں مذہبی تقدس محسوس ہونے کی وجہ سے ضمیر بھی اسے ملامت کرتا ہے۔ پس وہ یقین کرتا ہے کہ دنیا و آخرت میں وہ عذاب میں مبتلا ہوجائے گا۔ اور اس عذاب سے بچنے کے لئے وہ خیرات و صدقات کرتا ہے۔ پھر اسی مذکورہ بالا نظریۂ قانون کی حقیقت سمجھانے کے لئے اختر صاحب فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص تمدن سے کنارہ کش ہو کر جنگلوں، پہاڑوں میں جا بسے، تو وہ حکومتی اور مذہبی قانون کی پابندی کا مکلف نہیں رہتا اور نہ اس پر کسی کا کوئی حق ہوتا ہے اور نہ کسی دوسرے پر اس کا۔ یہ باتیں اگر اسلام کو درکنار رکھ کر کی جائیں تو ہمیں ان سے کوئی بحث نہیں، لیکن اگر اسلام کو مداخلت کی اجازت ہو تو پھر ہم عرض کریں گے یہ نقطۂ نظر سخت گمراہ کن ہے۔ انسان موجودہ دور میں تو ریاست کے تسلط اور مطالبات سے بھی کسی جنگل اور پہاڑ میں آزاد نہیں ہوسکتا؛ لیکن خیر اگر آپ اسے قوانینِ حکومت سے بالاتر بھی قرار دے رہے ہوں، تو کم سے کم اسلامی نظامِ حقوق سے وہ مستثنیٰ نہیں ہے۔ سب سے پہلے تو اس کے خدا کے حقوق ہیں جو مجرد وجود پانے ہی سے اس پر

عائد ہوجاتے ہیں اور اس کے لئے لازم ہوجاتا ہے کہ وہ ان کو جانے، ان کو سمجھے اور ان کو ادا کرے۔ پھر بات یہیں ختم نہیں ہوجاتی کہ وہ خدا کے حضور خراجِ عبادات ادا کرتے۔ بلکہ اُس نے جو قوتیں اپنے رب کی طرف سے امانتہً پائی ہیں اُن قوتوں کا شکر ادا کرنے کے لئے، کہ بنی نوعِ انسان کی فلاح کے لئے ایسی تمام صورتوں میں استعمال کرنا واجب ہے جو اللہ کے دین نے بتائی ہیں۔ دماغ ہے، زبان ہے، ہاتھ پاؤں ہیں، تنومندی ہے —— ان سب قویٰ اور اعضا اور صلاحیتوں کے بارے میں خدا کے دین کے کچھ مطالبات ہیں۔ اور جب تک خدا ہی کے قانون کی رُو سے جائز وجہ عذر موجود نہ ہو ان مطالبات سے سرتابی کرنا روا نہیں۔ آخر خلافت کا بارِ امانت اٹھائے ہوئے اسے اتار کر جنگل پہاڑ میں جا چھپنے کے لئے کوئی مضبوط اعتذار ہونا چاہیئے۔ پھر بات خدا ہی کے حقوق تک محدود نہیں۔ اسلامی زاویۂ نگاہ سے انسان کا ایک ماں کے پیٹ میں پرورش پانا اور ایک خاندان میں پلنا سوسائٹی کے استفادات اور معاشرے کی اتنی خدمات کا شرمندۂ احسان ہوتا ہے کہ اس کے بعد وہ اگر تمدن کی زنجیریں تڑا کر جنگلوں، پہاڑوں کی طرف بھاگ نکلتا ہے تو وہ اپنے اسی اقدام سے بے شمار حق ماریاں کر چکتا ہے۔ وہ اگر قلۂ کوہ پر جا کر دھونی رماتا ہے تو اس کی حیثیت خدا ہی کے نہیں بلکہ بندوں کے بھی چور اور حق مار کی سی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی صلعم نے متاہل زندگی کو "سنتی" فرمایا اور اسے ترک کرنے والوں کو "لیس منی" جیسے سخت الفاظ کی وعید سنائی۔ پھر لوگوں سے اختلاط کرنے والوں کو آپ نے خلوت پسندوں کے مقابلے میں زیادہ قدر کے قابل قرار دیا۔ اسلام نے استثنیٰ اگر یا تو صرف ایسے لوگوں کو جو ستم پر رہینے کے لئے ایک ایسا ناسازگار ماحول اپنے گرد پائیں جسے وہ بدلنے کے لئے کچھ بھی نہ کرسکتے ہوں نیز جس سے نکلنے کے لئے ہجرت کا دروازہ بھی کھلا نہ پائیں، اور اصحاب کہف جیسی مقدس ہستیوں کی طرح نظامِ تمدن کے باہر کسی گوشے میں پناہ لینے پر مجبور ہوجائیں۔ مگر ایسے اصحاب بھی شریعت سے بالکل بے نیاز نہیں ہوسکتے۔ اُن کے دماغ بہرحال کام کریں گے اور دماغی تحریکات کے لئے بھی شریعت کے کچھ قوانین ہیں۔ ان کو اپنے جسموں سمیت جینا ہوگا اور جسموں کے بھی کچھ واجبات ہیں۔ ان کو جانوروں، پرندوں اور نباتات سے واسطہ ہوگا۔ اور ان پر تصرف کرنے کے لئے بھی کچھ حدود ہیں۔ ان کو کسی خاص جگہ رہائش رکھنی ہوگی اور قیامگاہ کے لئے بھی کچھ طور طریقے ہیں۔ ان کو ستر پوشی بھی کرنی ہوگی اور ستر پوشی کے لئے بھی کوئی آئین ہے۔ ان پر کبھی نہ کبھی متمدن انسانوں کا گزر ہوسکتا ہے اور بھولے بھٹکے مسافروں کو ان سے

سابقہ پیش آ سکتا ہے۔ ان کے بھی کچھ حقوق ہیں۔ وہ اگر اپنی خدمات کے لئے بکریاں پالیں تو ان بکریوں کے بھی حقوق عائد ہوں گے۔ اور اگر وہ قصاب کو بیچ جائیں تو اسلامی حکومت ان سے زکوٰۃ وصول کئے بغیر نہ رہے گی نجانے کس طرح یہ نظریہ بیان فرمایا! [illegible] وہ قانونِ حکومت کے ساتھ ساتھ قانونِ اسلامی سے بھی کلیتہً بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ اور کسی کا کوئی حق اس پہ نہیں رہتا۔

پھر مؤلف فرماتے ہیں کہ اگر ایک معاشرے میں تمام کے تمام افراد بہ رضا و رغبت باہمی حقوق کا احترام کرنے لگیں تو ادارہ حکومت کی بہ نوعیت کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اسلام کی رو سے یہ بھی غلط تصور ہے۔ حکومت جس تنظیم معاشرہ کا نام ہے بلاشبہ اس کا ایک بہت ہی بڑا مقصود توازنِ حقوق قائم کرنا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ بعض امور جو اجتماعی نظم کے ذریعے سر انجام پا سکتے ہیں، ان کی ضرورت بھی اس کے وجود کا باعث ہوتی ہے۔ مثلاً رفاہ عام کے اجتماعی کام، منافع کا اہتمام اور سب سے بڑھ کر ساری دنیا میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی مہم برپا کرنے کی ذمہ داری۔[1]

مؤلف نے "سبعاً من المثانی" کی بڑی "ترقی پسندانہ" تعبیر فرمائی ہے۔ یعنی آپ کے نزدیک توحید کو ماننا، شرک سے بیزاری، قتل سے اجتناب، جھوٹ سے پرہیز، چوری سے اتقاء، بے حیائی سے دوری، دوسروں کی حق تلفیوں سے پاکدامنی۔ وہ سات احکام شرعی ہیں جن کو "سبعاً من المثانی" کہا گیا ہے۔ لیکن "ترقی پسندی" اور "اجتہاد" کی تکمیل تو اس ارشاد سے ہوتی ہے کہ:-

"یہ احکام شریعت جنہیں لسانِ قرآن میں "صلوٰۃ" اور "زکوٰۃ" سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جو تمام دنیوی قوموں کے آئین و قوانین کی بنیاد ہیں ......"

بعض نوٹس میں [illegible] تحقیق کی داد دی جائے۔

جناب مؤلف نے "ان یشاء یذھبکم و یأت بخلق جدید" الخ۔ کا ترجمہ یوں فرمایا ہے کہ جب بھی اللہ چاہے تم کو [illegible] اور نئی پیدائش میں لے آئے جس کی نسبت نہیں مایوس [illegible] ہے اور یہ امر اللہ پر کچھ مشکل نہیں اس خلق جدید میں، اگر کوئی کسی کو خواہ وہ اس کا قریبی ہی کیوں نہ ہو، اپنا بوجھ اٹھانے سے لئے

[1] اس حساب سے تو دنیا [illegible] احکام معروف تھے۔ اب یہ سات رہ گئے۔

کہے تو وہ بالکل نہیں اُٹھائے گا۔

سبحان اللہ! جزاکم اللہ! ــــــ مؤلف کے نزدیک آیت کا موضوع ارتقاء ہے یعنی اب تم جس حالت میں ہو اس سے نکال کر اللہ تم کو ایک ایسی ترقی یافتہ حالت میں لانے والا ہے جس میں ہر ایک کو اپنی ضروریات کے لئے خود محنت کرنی ہوگی۔ اور کوئی کسی کا ملازم، مزدور اور قلی نہ رہے گا! مگر مؤلف فرماتے ہیں کہ سر دست اس موضوع پر بحث کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ منزل ابھی بہت دور ہے۔

مؤلف نے "کان الناس امۃ واحدۃ فاختلفوا" اور اسی مضمون کی دوسری آیات میں لفظ اختلاف سے مراد نظامِ زندگی کا نبوت (church) اور ملوکیت (State) میں تقسیم ہونا لیا ہے نیز "کان الناس امۃ واحدۃ" کی روشنی میں آپ فرماتے ہیں کہ ابتدائی دور انسانی وحدت و امن کا مظہر تھا۔ اور حکومت اور حکومت کے وضع کردہ آئین و قوانین محض انسانی صنعت ہیں"۔

آگے چل کر قرآن کی حقیقت کی نقاب کشائی یوں فرمائی ہے کہ:۔

"قرآن تورات یا کسی اور دھرم شاستر یا ضابطہ آئین و قوانین کی طرح کتابِ احکام نہیں لیکن جامع و مانع کتاب اصولِ احکام ہے۔ اور ان اصولوں کی تشریح کے لئے سات اصولی احکام (سبعاً من المثانی) بیان فرماتا ہے جو خود غیر متبدل ہیں۔ قرآن میں اصولِ ہدایات ہیں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جو ایامِ جاہلیت میں انبیاء کا کام تھا اب جمہور کی نمائندہ جماعت شوریٰ میں منتقل ہوگیا۔ اور یہ امر و نہی یعنی احکام سب وقتی اجتہادات ہیں۔ اور خارجی حالات کے مناسب بدلنے چاہئیں۔ ان کا مذکور خواہ احادیث میں ہے یا احکامِ خلفاء ہیں۔ یا اجتہادات فقہاء ہیں، کوئی مستقل شریعت اسلامی نہیں ہے۔

کتاب میں اگرچہ بعض جگہ اچھی اچھی باتیں ہیں۔ لیکن اس کا مرکزی مزاج مذکورہ بالا اقتباسات سے نمایاں ہو جاتا ہے۔ مؤلف سائنٹیفک طریق پر خیالات کو مرتب نہیں کر پائے بلکہ ادھوری ادھوری متفرق باتیں ایک خاص اسلوب سے لکھتے جاتے ہیں۔ اور لکھنے کا انداز بھی کمزور ہے کیونکہ صلہ موصول اور شرط و جزا کا ربط جا بجا گنجلک ہو جاتا ہے۔